Research Journal of Islamic Studies

Volume: 2 Issue: 2

Jul-Dec 2025

Page No: 01-12

The Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

https://journals.gscwu.edu.pk/index.php/mishkat-ulilm/about

سماجی ہم آہنگی کے صوفیانہ مسالک: برصغیر میں تصوف کا کردار

Mystical Pathways to Social Harmony: The Role of Sufism in the Indian Subcontinent

Hafiza Mahgul
Lecturer in Islamic studies, Government Graduate college (W) Yazman.
Email: h.mahgul786bwp@gmial.com
ORCID: 0000-0003-4028-4397

Abstract

Islamic Sufism has played a significant role in promoting social harmony across the Indian subcontinent. Through an emphasis on tolerance, love, spiritual equality, and service to humanity, Sufi teachings functioned as a unifying force within the region's religiously and culturally diverse societies. Prominent Sufi figures such as Khwaja Moinuddin Chishti, Baba Farid Ganj Shakar, Nizamuddin Auliya, Data Ganj Bakhsh, and Lal Shahbaz Qalandar contributed to the cultivation of social cohesion through their spiritual guidance, ethical conduct, and inclusive outreach. Sufi institutions, particularly khanqahs and shrines, emerged as vital spaces of communal interaction, providing spiritual solace while fostering intercommunal engagement beyond distinctions of caste, creed, or social status. By prioritizing divine love, humility, and selfless service, Sufism encouraged religious coexistence and nurtured a shared moral and cultural ethos. This study argues that Sufism not only facilitated peaceful interreligious relations in the subcontinent but also contributed to the formation of enduring social bonds grounded in common spiritual values, thereby reinforcing social harmony in a pluralistic context.

Keywords: Sufism, Social Harmony, Indian Subcontinent, Religious Pluralism, Interfaith Relations

برصغیر پاک وہند اپنی مذہبی، ثقافتی اور لسانی تنوع کے باعث دنیا کے پیچیدہ مگر زرخیز خطوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خطے میں مختلف مذاہب، عقائد اور تہذیبوں کے حامل افراد صدیوں سے باہمی تعامل کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے کثیر الثقافتی معاشرے میں سماجی ہم آہنگی کا قیام ایک بڑا چیلنج رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جہاں سیاسی اور سماجی عوامل نے کشیدگی کو جنم دیا، وہیں تصوف نے محبت، رواداری اور باہمی احترام کے ذریعے دلوں کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلامی تصوف نے انسان دوستی، اخلاقی تطہیر اور روحانی مساوات کا پیغام دے کر معاشرتی توازن کو فروغ دیا۔

تصوف کا لغوی معنی

"الصّفواھوالاخلاص في المودة الصّفى ھو الصديق المخلص-"[1]

"الصّفو کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں اور صفی سے مراد مخلص دوست ہوتا ہے۔"

امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں:

"تصوف اِذَا لَبسَ الصوف لَمَا يُقالُ تقمَصُ اِذَا لَبِسَ القَمِيص-"[2]

"تصوف اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی نے صوف (اون) کا لباس پہنا ہو، جیسے کسی کے قمیض پہننے پر تقمیض بولا جاتا ہے۔"

تصوف کا اصطلاحی معنی

حضرت داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب میں شیخ حضری کا قول نقل کرتے ہوئے تصوف کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"التصوف صفاء السر من كدورة المخالفة[3]

"باطن کو مخالفت، حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک وصاف کر دینے کا نام تصوف ہے۔"

صوفی

صوفی سے مراد وہ شخص ہے جس نے دنیا وآخرت کے اجر وجزاء سے بے نیاز ہو کر محبوب حقیقی سے بے لوث محبّت اور دوستی کا رشتہ استوار کر لیا ہو اور جس کی تمام تر ساعی کا محرک فقط رضائے الٰہی کی طلب ہو۔[4]

تصوف کی قسمیں

تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین اقسام ہیں:

1۔ صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

2۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت ومجاہدے کے ذریعے اس مقام کو طلب کرے اور وہ اس مقام کی طلب وحصول میں صادق ہو۔

3۔ مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزّت ومنزلت اور مال ودولت کی خاطر خود کو ایسا بنالیں اور اسے مذکورہ مقام ومنازل کی کچھ خبر نہ ہو۔[5]

تصوف کے بنیادی اصول

تصوف ایک ایسا طریقہ کار ہے جو انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ یہ ظاہری عبادت کے ساتھ ساتھ باطنی صفات کو نکھارنے کا راستہ بھی ہے۔

تصوف کے چند نمایاں اصول درج ذیل ہیں:

محبّت: اللہ اور اس کی مخلوق سے بے غرض محبّت

توکّل: ہر حال میں اللہ پر کامل بھروسہ

تزکیہ نفس: ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی پاکیزگی کا اہتمام

زُہد: دنیا سے بے رغبتی اور سادگی

اخلاص: نیّت کی پاکیزگی اور خالص عمل

خدمتِ خلق: مخلوقِ خدا کی خدمت کو عبادت سمجھنا۔

برصغیر میں تصوف کی آمد

ہندوستان میں صوفیاء کرام کی آمد کا سلسلہ مسلمانوں کے حملے اور ان کی فتح کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ خواجہ ابو اسحاق گارزونی کے مرید شیخ صفی الدین حقانی گارزونی نے بہاولپور، پاکستان میں آکر مذہب اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کی وفات 1007ء میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے۔
صوفیاء کی آمد سب سے پہلے سندھ اور ملتان میں ہوئی، اس کے بعد لاہور صوفیاء کا اہم مرکز بنا۔ برصغیر میں آنے والے پہلے صوفی شیخ ابو علی السندھی آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ میں آئے۔ اس کے بعد شیخ اسماعیلی لاہوری تھے، جو محمود غزنوی کے دور میں 1005ء میں لاہور آئے۔[6] ان کے آنے کے بعد صوفیاء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یوں برصغیر میں تصوف کا آغاز ہوا۔

سلاسل تصوف کی ابتداء

صوفیا کرام نے کشف، حجاب اور ماورائے حجاب کی چیزوں کے علم کی طرف توجہ دی اور روحانی طاقت کو غذا دینے اور روحانی پاکیزگی کو قوی کرنے کے الگ الگ طریقے اختیار کیے، اسی کے نتیجے میں تصوف کے مختلف سلسلوں کا آغاز ہوا۔

سلاسل تصوف کی صحابہ کرام سے نسبت

تصوف کے ہر سلسلے وطریقے کا ایک روحانی شجرہ موجود ہے جو کسی نہ کسی صحابی کی نسبت پا کر نبی اکرم ﷺ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت داتا گنج بخشؒ "کشف المحجوب" میں یوں بیان کرتے ہیں:

"خلفائے راشدین میں سے ہر خلیفہ سلوک کے مختلف پہلوؤں کا نمائندہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ مشاہدہ کے، حضرت عمرؓ مجاہدہ کے، حضرت عثمانؓ خلوتہ یا خلتہ کے اور حضرت علیؓ حقیقت کے نمائندہ تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر الصدیقؓ سے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ تسویہ اور سلسلہ بیک تاشی شروع ہوئے۔ حضرت عمرؓ سے سلسلہ رفاعیہ اور سلسلہ عقیلیہ اور حضرت عثمانؓ سے سلسلہ زینیہ کا آغاز ہوا۔ ان کے علاوہ بیشتر سلسلے حضرت علیؓ سے جاری ہوئے۔"[7]

صوفی سلسلوں کا مقصد اور مدار

تصوف کے تمام سلسلے کسی خاص مقصد کے تحت وجود میں آئے اور کسی خاص مدار پر مبنی ہیں۔ ان تمام کی غرض وغایت تقریبا مشترک ہے۔

بقول مولانا عبد الباری فرنگی محلی:

"مفاد سلوک و تصوف جس کو میں سمجھا ہوں، یہ ہے کہ انسان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ"[8]

"جو ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کی محبّت بہت رکھتے ہیں۔"

کا مصداق ہو جاوے اور

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ"[9]

"کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ) اگر تم اللہ سے محبّت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تم سے محبّت کرے گا۔"

کا پورا امتثال کر لیا جاوے، یہی دو آیتیں ہیں جو مدار تصوف ہیں۔

تصوف کا مدار محبّت الٰہی، اتباع سنّت تسلیم و سر نگونی ہے۔ حضرات قادریہ و نقشبندیہ نے صورت اوّل کو پسند کیا، پہلے اتباع پھر محبّت اور حضراتِ چشتیہ نے پہلے محبّت اور پھر اتباع کو مناسب سمجھا۔ پھر حضرات قادریہ نے امورِ باطنی کی اتباع اہم سمجھی اور حضرات نقشبندیہ نے اتباع امور ظاہری کو پہلے ضروری قرار دیا۔ تو یہ سلاسل طالب کے ظرف کو دیکھ کر تعلیم دیتے ہیں اور سالک کی کمی کو پورا کرتے ہیں۔"[10]

برصغیر کے مشہور صوفی سلسلے

برصغیر میں تصوف کے سلسلے اسلامی تعلیمات کے فروغ، روحانی و اخلاقی تربیت اور سماجی ہم آہنگی میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ برصغیر کے چند مشہور اور فعال صوفی سلسلے درج ذیل ہیں:

1۔ سلسلہ قادریہ

قادریہ سلسلے کے بانی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اسلامی تاریخ کی عظیم المرتبت ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؒ اتباع سنّت اور دعوت و تبلیغ کے علمدار تھے۔ آپؒ کی علمی و روحانی مجالس اتنی پر تاثیر تھیں کہ بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں اور ہزاروں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔"[11]

سلسلہ قادریہ کی بنیاد و مزاج

آپؒ نے جس صوفی سلسلے کی بنیاد رکھی اور روحانی تربیت کا جو طریقہ اختیار کیا وہ سلسلہ قادریہ کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عبد القادر جیلانیؒ کی بے لوث خدمات نے اتنے گہرے نقوش چھوڑے کہ یہ سلسلہ قادریہ کے نام سے ممتاز ہو گیا۔ اس سلسلے کے متبعین خطہ عرب کے علاوہ ہندوپاک، بنگلہ دیش، ترکی، بلقان اور مشرقی و مغربی افریقہ میں ہر جگہ موجود ہیں۔ اور اس سلسلے کا شمار تصوف کے بڑے سلاسل میں ہوتا ہے۔

قادریہ سلسلہ کا خلاصہ اتباع سنّت اور نفاذ شریعت ہے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

"طريقةتوحيد وصفا وحكماوحالا، تحقيقه الشرع ظاهرااوباطنا۔"[12]

"آپ کا طریقہ کار توحید تھا، ازروئے وصف و حکم اور حال کے، آپ کی تحقیق شرع تھی ازروئے ظاہر و باطن۔"

اس طریق کی بنیاد سات چیزوں پر ہے:

1۔ المجاہدہ	2۔ التوکل	3۔ حسن الخلق	4۔ الشکر
5۔ الصبر	6۔ الرضا	7۔ الصدق [13]	

برصغیر میں سلسلہ قادریہ کی آمد

ہندوستان میں قادریہ سلسلے کے سب سے قدیم اور اوّلین بزرگ حضرت سیّد نورالدین مبارک غزنوی ہیں، وہ حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردی کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ سہر وردی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کو شمس الدین التمش کے دور میں "میر دہلی" کہاجاتا تھا۔ ان کا وصال سلطان کے وصال کے ایک سال قبل ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں ہی ہندوستان پہنچ گیا تھا۔[14]

2۔ سلسلہ نقشبندیہ

یہ صوفی سلسلہ حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے کو شروع میں سلسلہ خواجگان کہتے تھے مگر بعد ازاں بہاؤالدین نقشبند کے نام سے اس کو نسبت دے دی گئی اور نقشبندیہ کہلایا۔

نقشبندیہ سلسلے کی بنیاد اور خصوصیات

طریقہ نقشبندیہ ایک جامع سلسلہ ہے، بانیٔ سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند نے ارشاد فرمایا:

"ہمارے خواجگان کی نسبت چہار جہت سے ہے، ایک حضرت خضرؑ سے، دوسرے حضرت جنید بغدادیؒ سے، تیسرے حضرت بایزید بسطامی سے جو ان کو حضرت علیؓ کے ذریعے پہنچی اور چوتھے جو ان کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پہنچی، اس بناء پر اس نسبت کو نمک مشائخ کہتے ہیں"۔

"ہر شیخ کے آئینہ کے دورُخ ہوتے ہیں، میرے آئینے کے چھ رُخ ہیں۔ آئینہ سے مراد قلب ہے، دورُخ سے مراد روح اور نفس ہے، چھ رُخ سے مراد لطائف ستہ ہیں، یعنی نفس، قلب، روح سیر خفی، اخفیٰ۔ میرا طریقہ عروۃ الوثقیٰ ہے یعنی اتباع سنّت رسول اور اقتدائے آثارِ صحابہ کرام، میرے طریقوں میں تھوڑا عمل زیادہ ہے، مگر متابعت شرط ہے۔"[15]

برصغیر میں نقشبندیہ سلسلے کی آمد

برصغیر میں نقشبندیہ سلسلہ دسویں صدی ہجری میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذریعے آیا۔ حضرت کے بعد ان کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور پھر ان کے خلفاء نے برصغیر کی سرزمین کو دعوت و تبلیغ سے پُرنور کر دیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد ہند کی تاریخ آپ کی بدولت بہت روشن ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اتباع شریعت اور عقل و معرفت کے ذریعے تجدید کا جو رنگ اس سلسلے میں بھرا، اس نے برصغیر میں نقشبندیہ سلسلے کو اور بھی امتیاز بخشا۔[16]

3۔ سلسلہ چشتیہ

سلسلہ چشتیہ کے بانی امام طریقت خواجہ معین الدین حسن سجزی ی اجمیری ہیں۔

خواجہ صاحب مقام چشت کے باشندے تھے، اسی تعلق کی بناء پر خواجہ صاحب کو چشتی اور اس طریقہ تصوف کو بھی چشتیہ کہا جانے لگا۔

چشتیہ سلسلہ کی بنیاد اور خصوصیات

دیگر تمام صوفی طریقوں کی طرح طریقہ چشتیہ کی بنیاد بھی چند اہم امور پر رکھی گئی ہے، جو اس سلسلے کو دیگر سلسلوں سے ممتاز کرتے ہیں۔

علامہ عبدالحی الحسینی "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" میں چشتی سلسلے کی اساس بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ومدارها على الذكر الجلي بحفظ الانفاس وربط القلب بالشيخ علىٰ وصف المحبة والتعظيم والدخول في الاربعينات مع دوام الصيام والقيام وتقليل الكلام والطعام والمنام والمواظبة على الوضوء وترک الغفلة راساً،ولهم اشغال غير ماذكرناه-"[17]

"اس طریقے کی اساس ذکر بالجہر پر حفظ انفاس کے ساتھ شیخ سے محبّت و تعظیم کا تعلق رکھنے پر ہے اور چلہ کشی، روزے کی کثرت، تہجد کی نماز کی پابندی، گفتگو، کھانے سونے کو کم کرنے، وضو کی پابندی ترک غفلت پر ہے، اس کے علاوہ بھی ان کے اشغال ہیں۔"

سلسلہ چشتیہ کی برصغیر آمد و نفوذ

برصغیر پاک و ہند میں یہ سلسلہ سب سے پہلے ظہور پذیر ہوا۔ بقول عبدالحی الحسینی:

"وهذه الطريقة اول طريقة اخذها اهل الهند حتى فشت فى جميع البلاد ولها شعبتان:النظامية المنسوبة الىٰ الشيخ نظام الدين البدايونى، والصابرية المنسوبة الىٰ الشيخ علاء الدين على بن احمد الصابر-"[18]

"سب سے پہلے ہندوستان میں اسی طریقہ کی اشاعت ہوئی، اس طریقے کی دو مشہور شاخیں ہیں: پہلی نظامیہ جس کی نسبت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف ہے اور دوسری صابریہ جس کی نسبت شیخ علاء الدین علی صابر احمد کی طرف۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے قبل بھی سلسلہ چشت کے بعض اکابر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ جیسا کہ خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی جن کا ذکر غلام عبدالرحمان جامی "نفحات الانس" میں فرماتے ہیں:

"وقتی که محمود سبکتکین به غزوسومنات رفته بودخواجه رادرواقعه نمودند که به مددکاری وی می باید رفت درسن هفتادسالگی بادرویش چند متوجه شدوچون آنجا رسید به نفس مبارک خودبامشرکین وعبده اصنام جهادکردروزی شرکان غلبه کردندولشکر اسلام پنا ه به بیشه آوردندونزدیک بودکه شکست برایشان آید-"[19]

علامہ عبدالرحمان جامی کے مطابق خوجہ ابو محمد بن احمد چشتی سلطان محمود غزنویؒ کے ہمراہ ہندوستان (سومنات) آئے تھے اور ان کی دعا سے لشکرِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔

لیکن سلسلہ چشتیہ کو برصغیر میں جاری کرنے کا شرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو حاصل ہوا۔ وہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے تھے، اجمیر کو اپنا مستقر بنایا۔ دین کی اشاعت و تبلیغ کا کام کیا، میر خورد نے ان کو "نائب رسول اللہ فی الھند" لکھا ہے۔[20]

4۔ سلسلہ سہر وردیہ

تصوف کا یہ سلسلہ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ سہر وردی کی طرف منسوب ہے۔ سہر ورد عراق عجم میں ہمدان وزنجان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

شیخ شہاب الدین ان کے شیخ ضیاء الدین ابو نجیب اور ان کے شیخ وجیہ الدین تصوف کی اس سنہری لڑی کی یہ تینوں اوپر نیچے ہستیاں اس موضع سہر ورد کی رہنے والی تھیں۔ اس وجہ سے یہ تصوف کا مستقل و معروف سلسلہ سہر وردیہ کے نام سے موسوم ہوا۔[21]

سلسلہ سہر وردیہ کی بنیاد اور خصوصیات

سلسلہ سہر وردیہ کی بنیاد درج ذیل اُمور پر ہے:

"ومدارها علیٰ توزیع الاوقات علیٰ ماھوالائق بالناس من الصیام والقیام والمواظبة علی الادعیة الماثورة والاحزاب والاوراد والاشغال بذکر النفی والاثبات بحیث یؤثر فی القلب-"[22]

"رات ودن کے اوقات کو نظام کے ساتھ ان کاموں میں لگادینا جو مناسب و بہتر ہیں مثلاً روزہ، تہجد، ادعیہ ماثورہ کی پابندی، اورادووظائف کی پابندی، نفی اثبات کے ذکر میں مشغول رہنا، اس طرح کر قلب پر اثر انداز ہوں۔"

ان تمام امور پر سلسلہ سہر وردیہ کے مرید معتقدین کاربند رہتے ہیں اور الفت و تعظیم شیوخ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

سلسلہ سہر وردیہ کی برصغیر کی آمد

سہر وردیہ سلسلہ ہندوستان میں شیخ شہاب الدین زکریا ملتانیؒ کے ذریعے آیا۔ شیخ زکریا ملتانیؒ نے بانی طریقہ شیخ شہاب الدین سے اس کو حاصل کیا تھا۔ شیخ بہاؤالدین سے ان کے صاحبزادے صدرالدین نے، پھر ان سے ان کے صاحبزادے رکن الدین نے اور شیخ سے آگے شیخ جلال الدین حسینی اوچھی نے حاصل کیا۔ شیخ جلال الدینؒ نے اس سلسلہ کو بہت بڑے علاقے میں پھیلایا۔ شیخ کے بعد ان کے بھائی صدرالدین نے سندھ میں اس طریقہ کی نشرواشاعت کا کام سنبھالا۔ یہ سلسلہ سہر وردیہ جون پور میں پہنچا۔ گجرات میں اس طریقہ کو شیخ قطب الدین عبداللہ بن محمود بن حسین اوچھی نے پھیلایا اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچایا۔[23]

یسویہ: اس سلسلے کی نسبت حضرت احمد الیسویؒ کی طرف کی جاتی ہے۔

رفاعیہ: یہ سلسلہ حضرت احمد بن الرفاعی کی طرف منسوب ہے۔

شاذلیہ: حضرت ابوالحسن شاذلی سے منسوب سلسلہ

کبراویہ: حضرت نجم الدین کبریٰ کی طرف منسوب سلسلہ

برصغیر میں سماجی ہم آہنگی کے لیے صوفیاء کی کاوشیں

برصغیر ایک متنوع تہذیبوں، مذہب اور اقوام کا خطہ ہے۔ عوام کی اکثریت میں اسی تنوع کے پیشِ نظر تصادم کا خطرہ رہا ہے، مگر ایسے ماحول میں بھی صوفیاء کرام نے اپنی تعلیمات، عمدہ طرزِ زندگی، عوامی رابطے، محبّت اور اخوت کی بناء پر سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ اس سلسلے میں صوفیاء کرام نے بے پناہ کاوشیں کیں جن میں سے چند اہم کاوشیں درج ذیل ہیں:

1۔ تعلیمات کے ذریعے سماجی ہم آہنگی کا فروغ

سماجی رابطے کے فروغ اور معاشرتی ہم آہنگی کے سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی کاوش جو صوفیاء نے سرانجام دی، ان کی اعلیٰ اخلاقی اور اصلاحی تعلیمات پر مشتمل تھی۔ صوفیاء نے اپنی تعلیمات کے ذریعے ہندوستانی معاشرے میں محبّت و اخوت کا پیغام دیا اور واضح فرمایا کہ تصوف محبّت کا درس دیتا ہے۔ تصوّف کی نظر میں دنیا محبّت کی جگہ ہے نا کہ نفرت کی۔ انسان اس دنیا میں معاشرتی تعمیر کے لیے آیا ہے نہ کہ تخریب کاری کے لیے۔ صوفیاء کی تعلیمات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ نفرت کا جواب بھی محبّت ہی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"عاشق کا دل محبّت کا آتش کدہ ہوتا ہے، جو کچھ اس میں جائے، اسے جلا دیتا ہے اور ناچیز کر دیتا ہے، کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے۔"[24]

صوفیاء کرام نے ہمیشہ جود و سخا کا درس دیا، ان کے نزدیک مخلوقِ خدا کی حیثیت اور خدمت ہی تصوف کا مقصد عین ہے۔

صوفیاء کرام نے دنیا کو یہ تعلیم دی کہ اللہ کے بندوں کو آپس میں محبّت اور بھائی چارے کا برتاؤ کرنا چاہیے اور خود بھی اس پر کاربند رہے۔ ان کے نزدیک انسان قابلِ احترام اور لائق محبّت ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے ہو، ذات رنگ، نسل اور علاقے کا ہو۔ اس پیغامِ محبّت نے ایک دنیا کو تصوف کا گرویدہ بنا دیا اور اسے برصغیر میں ہر علاقے میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ صوفیاء نے اللہ کے بندوں کی محبّت اور ان کی خدمت کو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا اور مخلوق کی خدمت اور محبّت سے خالق تک رسائی کا کلیہ تلاش کر لیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

"کھانا کھلانا سبھی مذاہب میں پسندیدہ ہے۔"[25]

اس قسم کے اقوال صوفیاء کے ملفوظات اور ان کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خدمت خلق کو کتنا پسند کرتے تھے۔ تمام صوفیاء کرام خود کو ہمیشہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور محبّت میں پابند رکھتے تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت سہل بن حمید اللہ تستریؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

"الصوفی دمه هدروملكه مباح۔"[26]

"صوفی وہ ہے جس کا خون معاف ہو اور اس کی ملکیت مباح ہو۔"

2۔ مقامی زبانوں اور ثقافت کے ذریعے ہم آہنگی کا فروغ

صوفیاء کرام نے عوامی رابطے کو بڑھانے اور دلوں میں محبّت پیدا کرنے کے لیے ایک اور اہم کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ مقامی زبانوں کو اختیار کیا اور عوام الناس سے قریبی رابطہ قائم کیا۔ صوفیاء نے یہ کوشش کی کہ تصوف کے پیغام کو لوگوں کی مادری زبان میں ڈھال کر پیش کریں تاکہ لوگوں کے لیے اس پیغام کی سمجھ بوجھ آسان ہو جائے اور تصوف کا اثر براہِ راست ان کے دلوں پر ہو سکے۔

شیخ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے اسی بات کے پیشِ نظر دہلی چھوڑ کر ہانسی (پنجاب) کا رُخ کیا۔ دہلی میں رہ کر ولایت کے کاموں کو صحیح معنوں میں جاری رکھنا انہیں ممکن نہ لگا، کیونکہ انہیں لگا کہ دہلی میں سلطنت اور اس کی انتظامیہ کا دباؤ خانقاہی نظام پر بنا رہے گا، جو مذہبی کاموں میں خلل پیدا کرے گا، اسی لیے پنجاب میں رہ کر کام کرنا مناسب سمجھا اور پنجابی زبان میں صوفی پیغام کو پیش کر کے عوام کے دلوں کو جوڑا۔ اس کا اثر اتنا گہرا ہوا کہ یہ فیضان صرف پنجاب تک ہی محدود نہ رہا بلکہ لاہور، ملتان اور دہلی تک ان کی روحانی ضیاء کی شہریت پھیل گئی۔[27]

اس قسم کی کئی مثالیں دیگر صوفی بزرگوں کی زندگیوں سے بھی ملتی ہیں، مثلاً شاہ عبد الطیف بھٹائی کا سندھی زبان میں، لالون فقیر کا بنگالی زبان میں تصوف کے پیغام کو پھیلانا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ کس طرح صوفیاء نے عوام کے دلوں تک تصوف کا پیغام پہنچایا۔

3۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا فروغ

حضراتِ صوفیاء کرام نے نبی اکرم ﷺ کی سنّت مبارکہ کو ہی مشعل راہ بنا کر سماج کے ہر طبقے میں محبت اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔ برصغیر میں اگرچہ اسلام کی ابتداء عرب تاجروں اور سوداگروں کے ذریعے ہوئی، مگر پورے خطے میں اسلام کو پھیلانے کا کام صوفیاء نے ہی کیا۔ یہ کام غیر مسلموں سے میل جول اور حسنِ سلوک کے بغیر ممکن نہ تھا، لہٰذا صوفیاء کرام نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مابین محبّت، رواداری اور امن کو فروغ دیا۔ صوفیاء نے یہ بات باور کرائی کہ کوئی بھی مذہب نفرت یا انسان دشمنی کا درس نہیں دیتا بلکہ امن و آشتی اور صلح جوئی سکھاتا ہے۔ لہٰذا تمام مذاہب میں ہم آہنگی کا ایک طریقہ یہ نکالا گیا کہ ان میں مشترکہ احکامات جو کہ انسان دوستی، صلح و آشتی پر مبنی تھے، تمام پر یکسو اور یکجا ہونے پر زور دیا گیا۔ برصغیر کی متنوع سماج میں صوفیاء نے ایسی بردباری کا مظاہرہ کیا کہ دوسروں کے عقیدے کا احترام دلوں میں پیدا ہوا۔ کبھی بھی اپنا دین یا اپنا عقیدہ کسی پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اپنے کردار، اخلاق اور تعلیمات سے لوگوں کے دلوں کو جیتا۔

چنانچہ شیخ بہاؤالدین کے بارے میں تاریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت کے وعظ سن کر سندھ، علاقہ ملتان اور لاہور کے ہندو لوگوں میں سے بھی بے شمار لوگوں نے جن میں متمول تاجر اور والیان ملک بھی شامل تھے، دینِ اسلام اختیار کر لیا اور شیخ کے مرید ہو گئے۔

اس کے علاوہ آپؒ نے بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لیے رفاہ عامہ کی غرض سے زراعت اور تجارت کو بڑھایا۔ ملتان کے گرد و نواح میں جنگلات کو آباد کیا چاہات اور نہریں کھدوائیں۔[28] آپؒ کے اس عظیم کارنامے کے سبب انسان دوستی کو فروغ ملا۔

صوفی شعراء میں سے حضرت بلھے شاہ عبد الطیف بھٹائی، سچل سرمست اور امیر خسرو نے اپنی شاعری میں بین المذاہب رواداری اور ہم آہنگی کے پیغامات دیے، جس نے سماجی سطح پر دلوں میں میلان پیدا کیا، اسی طرح مختلف مذاہب کے علماء راہبوں اور فلاسفہ سے مکالمہ کیا اور باہمی افہام و تفہیم کو فروغ دیا۔ صوفیاء کے اس طرزِ عمل سے معاشرے میں مذہبی رواداری کی بنیاد رکھی۔

خانقاہوں کے قیام سے سماجی ہم آہنگی کا فروغ

خانقاہ کا تعارف

خانقاہ سے مُراد وہ مرکز ہے جو عام آدمی تک اسلام کے پیغام کو پھیلانے اور صوفیاء کرام کی عبادت وریاضت کو عام فہم شکل میں سمجھانے کے لیے قائم کیا جاتا ہے۔خانقاہ دو لفظوں سے مل کر بنتا ہے۔ خانہ - قاہ۔ خانہ کا مطلب گھر ہے۔اور قاہ کا مطلب عبادت یا دعا ہے۔ اس طرح خانقاہ کا مطلب ہے عبادت کا گھر۔[29]

برصغیر میں خانقاہوں کی سماجی حیثیت

برصغیر میں محمد غوری کی فتح کے بعد ہندوستان میں ترکی سلطنت کی ابتداء کے ساتھ ہی شمالی ہند میں خانقاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستانی سماج جن مسائل میں گھری تھی، ان کے حل کا ایک ہی مرکز تھا، اور وہ تھا خانقاہیں، جن میں کسی بھی طرح کا کوئی نسلی یا لسانی بھید بھاؤ نہ تھا۔ اونچ نیچ اور سماجی تفریق کے گھٹن زدہ ماحول میں خانقاہیں ہندوستانی سماج کے امن وسکون کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئیں۔ لوگ ان خانقاہوں سے جڑتے گئے اور صوفیاء کی تعلیمات اور اعلیٰ کردار سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہوتے گئے۔

خانقاہوں میں ہندوستانی عوام کے ایک ساتھ بیٹھنے اور رابطے میں رہنے کے سبب ہی ثقافتی رسم ورواج اس طرح پروان چڑھا کہ مسلمان ہندوستانی تہذیب اور اسلام کے امتزاج کے عین مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔

اردو زبان کی تخلیق بھی خانقاہوں کی بدولت ممکن ہوئی۔

خلیق احمد نظامی Religion and Politics in India میں لکھتے ہیں:

"The fact that the birth place of the Urdu language was the khanqah of the Medieval Sufis."[30]

گویا متعدد طبقے اور زبانوں کے لوگوں کے اشتراک سے ایک "خانقاہی زبان" وجود میں آئی، جسے بعد میں "اردو زبان" کا نام دے دیا گیا، نیز خانقاہوں کے قیام سے ہندووستانی سماج میں بہتری آئی اور معاشرے میں ہم آہنگی کو فروغ ملا۔

مختلف صوفی سلسلوں کے بزرگانِ دین نے اپنے اپنے انداز اور ذوق کے مطابق خانقاہوں کا قیام عمل میں لایا، جن سے معاشرے میں محبّت وبھائی چارگی کا ماحول قائم ہوا۔

چشتیہ خانقاہ ایک بہت بڑے دالان کی شکل میں ہوتی تھی، جسے جماعت خانہ کہا جاتا تھا۔ اس کے اندر لنگر خانہ بھی قائم تھا۔ یہ جماعت خانہ ہمہ وقت عوام کے تمام طبقات کے لیے کھلا رہتا تھا۔[31]

شیخ شمس الدینؒ نے سیال شریف میں اپنا خانقاہی نظام اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا۔ ان کے یہاں لنگر کا خاص اہتمام تھا۔ تمام زائرین اور مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ شہر کے مسکین، مسافر اور نادار طبقہ بھی خانقاہ سے مستفیض ہوتے۔ قیام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ چارپائی اور بستر ہر آنے جانے والے کو مہیا تھا جو لوگ مستقلاً قیام کرتے، ان کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔[32]

صوفیاء کرام کی انہیں حکمتِ عملیوں کے سبب برصغیر کی سرزمین امن وامان کا گہوارہ بن گئی۔ ہندوستانی سماج نے ترقی کی اور ایک مہذب معاشرے کا قیام عمل میں آیا۔

ہندوؤں کے لیے وسعت قلبی و وسیع النظری

برصغیر کے تمام صوفی سلسلے اس لحاظ سے بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں کہ ان کے اکابر و شیوخ ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں کے لیے وسعت قلبی و وسیع النظری کے قائل تھے۔ سلسلہ چشتیہ کے بارے میں خلیق نظامی لکھتے ہیں:

"ہمارے سلسلے کا اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح رکھنی چاہیے۔"[33]

صوفیاء کے اس مصلحانہ رویے کے سبب سماجی ہم آہنگی کو فروغ ملا۔ صوفیاء کے نزدیک ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، لہذا ان کے مابین وصل ہونا چاہیے نہ کہ فصل۔

نافع السالکین میں لکھا ہے:

حافظ گر وصل خواہی صلح کن با خاص وعام

با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام[34]

"اے حافظ اگر تو وصل یعنی محبوب کی قربت چاہتا ہے تو خاص وعام سب سے صلح رکھ، مسلمانوں کے ساتھ اللہ اللہ کہہ اور برہمنوں کے ساتھ رام رام"

صوفیاء کے نزدیک یہ فقط اخلاق و انسانیت کا مطالبہ نہ تھا بلکہ سماج اور انسانی اخوت کا تقاضا بھی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عقائد و نظریات کے اختلافات انسانی برادری کے رشتے پر اثر انداز نہ ہوں۔ وسعت نظری کا عالم یہ تھا کہ ہمیشہ اہل تصوف نے مخلوقِ خدا کو جوڑنے کی بات کی۔

ایک شخص نے بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں قینچی پیش کی، فرمایا:

"مجھے تو سوئی دو، میں کاٹتا نہیں، جوڑتا ہوں۔"[35]

خلاصہ بحث

تصوف برصغیر کی سماجی، روحانی اور ثقافتی تاریخ کا ایک اہم جزو رہا ہے، جس نے معاشرتی سطح پر سماجی ہم آہنگی، رواداری اور بقائے باہمی کو پروان چڑھایا۔ صوفیاء نے اپنی تعلیمات، طرزِ عمل اور خانقاہی نظام کے ذریعے مختلف اور متنوع تہذیبوں کے مابین یگانگت قائم کی۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کو انسانیت کے رشتے میں جوڑا۔ لسانیت، نسل پرستی عصبیت اور ذات پات کی تقسیم کے خلاف آواز بلند کی۔ صوفیاء کی خانقاہیں تزکیہ نفس محاسبہ اور خدمت خلق کے لیے ہمیشہ خاص وعام کی خاطر کھلی رہیں۔ الغرض تصوف نے برصغیر میں ایک ایسی سماجی فضا قائم کی جس نے معاشرتی ہم آہنگی، بین المذاہب رواداری اور پُر امن بقائے باہمی کو ممکن بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

حوالہ جات

[1] لوئیس معلوف، المنجد (لاہور : مکتبۃ العلم، 1995ء)475۔

[2] عبد الکریم بن ھوازن بن عبد الملک القشیری، الرسالہ القشیریہ (القاھرہ: دار المعارف، س ن)2/440۔

[3] علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب (لاہور: مکتبہ شمس و قمر، 2012ء)129۔

[4] ڈاکٹر طاہر القادری، حقیقت تصوف (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، 2000ء)79۔

[5] علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب (لاہور: مکتبہ شمس و قمر، 2012ء)125۔

[6] شیخ محمد اکرم، آب کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2006ء)75۔

[7] مخدوم علی ہجویری، کشف المحجوب، 172۔

[8] البقرہ (2):165۔

[9] آل عمران (3):31۔

[10] محمد رضا انصاری، تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی (لکھنو: فرنگی محل، 1986ء)35،36۔

[11] اختر امام عادل قاسمی، سلاسل تصوف (بہار: دائرۃ المعارف الربانیہ، 2023ء)21۔

[12] عبد الوہاب الشعرانی، الطبقات الکبریٰ للشعرانی (لاہور: نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، 2002ء)273۔

[13] عبد القادر جیلانیؒ، کتاب فتوح الغیب (الریاض: المملکۃ العربیہ السعودیہ دارالھادی ومکیہ دارالزھراء، س ن)280۔

[14] اختر امام عادل قاسمی، سلاسل تصوف، 26۔

[15] صاحبزادہ محمد عبد الرسول للہی، تاریخ مشائخ نقشبند (لاہور: مکتبہ زاویہ، 2007ء)278۔

[16] مفتی محمد امجد حسین، تاریخ ومشائخ تصوف (راولپنڈی، ادارہ غفران، 2015ء)151۔

[17] عبد الحی الحسینی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند (القاھرہ: مؤسسۃ ھنداوی للتعلیم والثقافۃ المشھرۃ، س ن)163۔

[18] عبد الحی الحسینی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، 163۔

[19] نورالدین عبد الرحمان جامی، نفحات الانس من حضرات القدس (ہندوستان: بینا کولکتہ، س ن)202۔

[20] سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد، سیر الاولیاء (لاہور: الکتاب گنج بخش روڈ، 1978ء)45۔

[21] مفتی محمد امجد حسین، تاریخ ومشائخ تصوف، 140۔

[22] عبد الحی الحسینی، الثقافہ الاسلامیہ فی الھند، 165۔

[23] عبد الحی الحسینی، الثقافہ الاسلامیہ فی الھند، 165۔

[24] خواجہ معین الدین چشتی، دلیل العارفین (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1994ء)76۔

[25] شیخ محمد اکرم، آب کوثر، 258۔

[26] علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، 6۔

[27] ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمان، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ (راولپنڈی، اسلامک بک کارپوریشن، 2014ء)59۔

[28] شیخ محمد اکرم، آبِ کوثر، 258۔

[29] ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمان، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ، 71۔

[30] Religion and Politics in India During the thirteenth century (Aligarh Univesity,1961), 264.

[31] ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمان، تصوف اور صوفیاء کی تاریخ، 74۔

[32] خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، 676۔

[33] خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، 306۔

[34] خواجہ محمد سلیمان تونسوی، نافع السالکین (دہلی: مطبع مرتصوی کوچہ جیلان، 1896ء)176۔

[35] خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، 307۔